R. No. 2186/57 Regd. No. 1022

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون ۔ ۲۹
قیمت تین پیسے سالانہ
فی پرچہ ... روپے

جلد ۲۲ - شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۲۲ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

آل احمد سرور

(۲)

لال قلعے میں

(یوم ظفر کا مشاعرہ)

مشاعرے کا آغاز جناب نورالدین احمد میر دہلی کی صدارتی تقریر سے ہوا۔ آپ نے چند الفاظ کہنے کے بعد احمد محی الدین صاحب کی انگریزی نظم بہادر شاہ ظفر پر سنائی۔ اس کے بعد جگن ناتھ آزاد نے اپنے والد اور اردو کے بزرگ شاعر حضرت تلوک چند محروم کی چند رباعیات سنائیں جو اسی موقع کے لئے لکھی گئی تھیں۔ اس کے بعد شعرا نے یا تو ظفر پر نظمیں سنائیں یا اُن کے اس مصرعے پر کہی ہوئی غزلیں پڑھیں۔ ع

کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا

اس موقع پر مجمع پانچ چھ ہزار سے کم نہ ہو گا۔ گوپی ناتھ امن کی غزل کے کچھ اشعار بہت پسند کئے گئے۔ سلام مچھلی شہری کو اُن کے پُرخلوص خراج عقیدت پر بہت داد ملی۔ جگن ناتھ آزاد نے ظفر کی غزل کی تضمین سنائی جس سے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ جمیل مظہری نے ظفر کی روح کی فریاد بڑے دلدوز لہجے میں سنائی جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔ راہی نے اپنی نظم ۱۸۵۷ء کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا۔ نظم آزاد تھی اس میں لال قلعے کی شوکت و عظمت کا جس خلوص اور جوش سے ذکر تھا اس سے سبھی متاثر ہوئے اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں لال قلعے کی مرکزیت کا سبھی کو احساس ہوا۔ راقم الحروف کی نظم میں ہندوستانی تہذیب میں مغل دور کے کارنامے کو اجاگر کیا گیا تھا۔ شمیم کرہانی، نشور واحدی، عرش، پرویز شاہدی، مظہر امام، روش صدیقی، بسمل سعیدی، جوش ملسیانی اور علی جواد زیدی کا کلام بہت پسند کیا گیا۔ سکندر علی وجد، ساغر، دلاور فگار بھی بہت مقبول ہوئے۔ مشاعرہ دس بجے کے قریب شروع ہوا اور دو بجے تک جاری رہا۔ بیچ میں کچھ دیر کے لئے بجلی فانہ ہو گئی تھی مگر مجمع نے بڑے ضبط و نظم کا ثبوت دیا۔

اچھا ہوتا اگر پہلے دور میں صرف موضوع پر نظمیں یا طرح پر غزلیں ہوتیں اور اس کے بعد دوسرا کلام سنایا جاتا۔ شروع میں تو اس کا خیال رہا، مگر کچھ دیر بعد یہ التزام قائم نہ رہ سکا۔

موضوع کی قید یا طرح کی قید بعض اوقات شعریت کو مجروح کرتی ہے، مگر اس مشاعرے میں جن شعرا نے اپنا کلام سنایا، اُن کے یہاں خلوص کی وجہ سے شعریت کے جلوے بھی تھے۔ یہ بات بہر حال ثابت ہو گئی کہ کسی موضوع پر مشاعرہ ہو اور وہ موضوع اہم ہو تو اس پر اچھے شعر ہو سکتے ہیں۔

دہلی میں آج کل جیسے مشاعرے ہوتے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے یوم ظفر کا مشاعرہ خاصا کامیاب کہا جا سکتا ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔

اس اشاعت میں

اس سلسلے میں پہلی ذمہ داری شعرا کی ہے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ اس تاریخی موقعے کی اہمیت کو شعرا بھی محسوس کریں گے اور اسے عام مشاعروں کی طرح نہ سمجھیں گے۔ اس موقع پر اردو کے چوٹی کے شعرا کو دعوت دی گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے جواب ہی نہ دیا، کچھ وعدہ کرکے نہ آئے، کچھ آئے تو اس موقع کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ پھر بھی اردو کے ممتاز شعرا خاصی تعداد میں ڈائس پر رونق افروز تھے۔ شروع سے اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ شعرا پڑھنے والے کے سامنے رہیں، مگر بعد میں آنے والوں کی وجہ سے یہ پابندی قائم نہ رہ سکی۔ آج کل یہ عجیب دستور نکلا ہے کہ شاعر جب اپنا کلام سناتا ہے تو اسی وقت بہت سے شعرائے کرام کو اپنے ساتھیوں سے کوئی ضروری بات کہنا ہوتی ہے، پھر اچھے اچھوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جلد سے جلد کلام پڑھ کر رخصت ہو جائیں۔ اس سلسلے میں مجھے ثاقب لکھنوی اور جگر مرادآبادی یاد آئے۔ ثاقب ایک دفعہ علی گڑھ کے ایک مشاعرے میں شرکت کرنے آئے۔ انکی طبیعت اچھی نہ تھی۔ منتظمین نے ان سے کہا کہ آپ ابھی تکلیف نہ کریں آخر میں آپ کو زحمت دی جائے گی۔ مگر وہ نہ مانے مشاعرہ شروع ہونے کے وقت پہنچے اور آخر تک بیٹھے رہے۔ یہ ہیں مشاعرے کے آداب۔ جگر مرادآبادی، کوئی خاص مجبوری نہ ہو تو آخر تک ضرور بیٹھتے تھے اور اس طرح نہیں کہ دوستوں سے گپ کرتے رہیں یا خاموش رہیں، بلکہ پڑھنے والوں کا کلام واقعی سنتے تھے اور موقع موقع سے داد بھی دیتے تھے۔ آج کل تو شاعر بیچارہ جب کسی دوسرے شاعر کو باتوں میں مصروف دیکھتا ہے تو اسے خاص طور سے کسی شعر کی طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ اس بہانے سے اسے راہ راست پہ لے آئے۔ کوئی مشاعرہ دو چار شاعروں کے اچھے اشعار کی وجہ سے کامیاب نہیں کہا جا سکتا، اس میں سب کو اس طرح پڑھنے کا موقع ملنا چاہیے کہ لوگ شاعر کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے اچھے اشعار پر مناسب الفاظ میں داد دیں۔ اب تو مصرعہ اٹھانے کی رسم بھی رخصت ہوتی جا رہی ہے۔

پھر مشاعروں میں صدر کا رول قریب قریب غائب ہوتا جا رہا ہے اور اناؤنسر صدر سے زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدر زیادہ تر وی۔ آئی۔ پی (بہت اہم آدمی) ہوتا ہے، جو اتنی بھی زحمت نہیں کرتا کہ مشاعرے کے آخر تک بیٹھا رہے۔ شروع میں وہ چند کلمے کہہ دیتا ہے اور پھر پس منظر میں چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ بالکل ہی غائب ہو جاتا ہے۔ مشاعرے کو چلانے کا بار اناؤنسر یا سکریٹری کے اوپر رہتا ہے۔ حالانکہ یہ کام صدر کو کرنا چاہیے۔ اس مشاعرے میں فخرالدین صاحب بیرسٹر پہلی صدر تھے وہ کچھ دیر کے بعد چلے گئے اور راقم الحروف کو صدارت سونپ گئے۔ اناؤنسر کے فرائض جناب گوپی ناتھ امن انجام دے رہے تھے۔ امن صاحب کو اس کام کا خاصا تجربہ ہے اور انھوں نے خوش اسلوبی سے اپنا کام کیا، مگر صدر انھیں اور مدد دے سکتا تھا جو نہیں دے سکا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ مشاعروں میں خاصی تعداد میں ایسے ممتاز افراد شرکت کرتے ہیں جو تھوڑی دیر بیٹھنا چاہتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ اچھا کلام سننا چاہتے ہیں۔ انکی وجہ سے پہلے کی ترتیب کو بدلنا پڑتا ہے۔ اس کا اثر مشاعرے کی کامیابی پر پڑتا ہے۔ اگر چند ممتاز شعرا کا کلام گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی سننے کو مل جائے تو بہت سے لوگ چل دیتے ہیں۔ اس سے مشاعرے میں بڑی بد دلی پھیلتی ہے۔

ان باتوں کی روشنی میں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آئندہ صدر ایسا چنا جائے جو آخر تک بیٹھ سکے اور جو خود مجمع سے شعرا کا تعارف کرائے۔ سکریٹری صرف صدر کی مدد کرے۔ جو بھی ترتیب رکھی جائے وہ کسی کی خاطر بدلی نہ جائے۔ کسی شاعر کو چاہے وہ کتنا ہی مقبول ہو، پہلے دور میں ایک سے زیادہ بار نہ پڑھوایا جائے۔ شعرا پہلے دور میں صرف موضوع پر نظمیں یا طرح پر غزلیں سنائیں، دوسرے دور میں جو چاہیں سنائیں۔

اگر ان باتوں کا التزام ہو جائے تو شاید سننے والے بھی زیادہ تعاون کریں گے اور مشاعرے زیادہ کامیاب ہوں گے۔ ہاں یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ اس دور میں کوئی مشاعرہ تین چار گھنٹے سے زیادہ نہ چلنا چاہیے اور شعرا کی جو فہرست پہلے سے بن چکی ہے اس میں عین وقت پہ اضافہ نہ ہونا چاہیے۔ بعض اوقات خود ممتاز شعرا کسی کی سفارش کرتے ہیں جسے رد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر اس سلسلے میں تھوڑی سی بے مروتی سے کام لینا اچھا ہے۔ آخر اچھا شاعر وہی تو نہیں ہے جو مشاعرے میں پڑھتا ہے، بہت سے اچھے شاعر مشاعروں میں شرکت تک نہیں کرتے، مگر ان کے کلام کی قدر کرنے والے بہت ہیں۔ پھر ایک ہی موقع پر سب باکمالوں کا مظاہرہ کیوں ضروری ہو۔

اچھا مشاعرہ وہ ہوتا ہے جس میں اچھا کلام اچھی طرح سنا جائے اور اس کے لئے انتظار بھی کیا جائے۔

ادب اور تہذیب کا بہر حال چولی دامن کا ساتھ ہے، اس سلسلے میں شعرا، سامعین، منتظمین، تینوں کو اپنا اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

بحیثیت مجموعی یوم ظفر کا پہلا جلسہ اور مشاعرہ دونوں اپنی مخصوص نوعیت اور تاریخی حیثیت کی وجہ سے یادگار رہیں گے۔

فرید برہان پوری

تاج

ہماری زبان ۸ر اگست ۱۹۶۳ء کے فرید شمارے میں ہندوستانی ــــ ہندوستان ــــ (ہندی ۲۱ر جولائی ۱۹۶۳ء) سے فارسی کے ایک مخطوطے کے تعارف کا اُردو ترجمہ ــــ تاج کی تعمیر پر اخراجات کی تفصیل ــــ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

تاج کی تعمیر سے متعلق زیر بحث فارسی مخطوطے ــــ "خلاصہ احوال بانو بیگم" ــــ انگریزوں کے ابتدائی دور میں کسی نے آگرہ میں لکھا۔ اس میں تاج کی تعمیر میں حصّہ لینے والے معماروں کی فہرست ہے اور تاج کی تعمیر میں جو سامان استعمال ہوا اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ سکندرہ، موتی مسجد اور دیوان خاص وغیرہ کا بھی بیان ہے۔ روضۂ تاج کی پیمائش ہے۔ چند کتبات اور توپوں کا اندراج ہے۔ ایک نسخہ میں اکبر بادشاہ کے اجمیر جانے کا ذکر ہے۔ معماروں میں استاد عیسےٰ کا نام سرِ فہرست ملتا ہے۔ اس مخطوطے کی نقلوں نے عام ہو کر حیرت خیز قیاس آرائیوں کو جنم دیا۔

ہندوستان کے اکثر کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے ملتے ہیں۔ کتب خانۂ آصفیہ (حیدر آباد) میں اس کے تین مختلف العنوان قلمی نسخے راقم کی نظر سے گزرے۔

(الف) تاریخ بنائے تاج گنج و سکندرہ و موتی مسجد و دیوان خاص۔

(ب) تاریخ تاج محل و مصارف تعمیر آں۔

(س) احوال تاج و نقشہ جات۔

نسخہ الف کا کاتب بہار علی ساکن تاج گنج ہے۔ نسخہ ب مصوّر ہے اس میں نو قلمی تصاویر ہیں۔ نسخہ س میں ایک قلمی اور چھ مطبوعہ تصاویر ہیں جو مطبع الٰہی میں ۱۸۶۹ء میں چھپی ہیں۔ نسخۂ س کے ترقیمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب مرزا مغل بیگ نے ۸ر دسمبر ۱۸۷۴ء کو نقل کیا۔

تاج کی تعمیر سے متعلق یہ نسخے ناقابل اعتبار ہیں ان کے غائر اور تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان و بیان کے ہلکے سے تغیر کے ساتھ صرف سُنی سُنائی حکایتوں پر ایک پُر فریب گمراہ کُن عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔ غیر مروجہ سکّوں میں حساب کتاب کا اندراج ہے۔ تمام اعداد فرضی ہیں۔ زیر تبصرہ نسخے "گویند" سے شروع ہوتے ہیں۔ یعنی عوام کی روایات ہیں۔ ان نسخوں کا عامیانہ اندازِ بیان، زبان و بیان کا تفاوت، تخاطب کا لہجہ، پاسِ ادب کا فقدان، واقعات کا غیر مورخانہ بیان اور ان میں عدمِ تسلسل، ناموں کی غلطیاں وغیرہ ان کے غیر معتبر ہونے کے قوی شواہد ہیں۔

"خلاصہ احوال بانو بیگم" میں ممتاز محل کی وفات کا واقعہ افسانوی انداز میں بیان کیا گیا ہے[1]۔ شاہ جہاں کے عہد کی تاریخوں میں ملکہ کی وفات اور تدفین کا تفصیل سے حال ملتا ہے[2]۔ روضۂ تاج کی تیاری کے ذیل میں ممتاز محل کی ہمراہی میں شاہ جہاں کے شکار کھیلنے کے ایک واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں شہنشاہ کی شاہ بہلول(؟) سے ملاقات، شاہ موصوف کا مٹی کا ایک روضہ بنانے، ملکہ کا اسے پسند کرنے اور خریدنے اور بعد میں شاہ موصوف کا شاہی مصوّر کو ایک روضہ کا نقشہ بتلانے کی فرضی حکایت درج ہے[3]۔

زیر نظر نسخہ میں جہاں ممتاز محل کی وفات کے بعد تدفین کا ذکر ہے، اس کو پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ آگرہ میں وفات کے بعد ہندوستان کی ملکہ کو ایک "افتادہ زمین" میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

"بیگم کے انتقال کے بعد ....

.... ملکہ کا روضہ تیار کر لیا گیا"[4]

(ہماری زبان صفحہ ۳ کالم ۲)

برہان پور میں ممتاز محل کی وفات اور تدفین کا ذکر کسی نسخہ میں نہیں ملتا۔ مختصر صحیح تفصیل[5] درج ذیل ہے:۔

گوہر[6] آرا بیگم کی پیدائش کے وقت سہ شنبہ ۱۶ر ذیقعدہ ۱۰۴۰ہجری سے "عسرتِ ولادت" میں گرفتار ملکہ نے چہار شنبہ ۱۷ر ذی قعدہ کو نصف شب کے وقت برہان پور کے شاہی قلعہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس "گنجینۂ عفت" کو

---

[1] نسخہ الف صفحہ ۹ واقعات دعلی صفحہ ۱۲۹ کے حاشیہ میں یہی غلط تفصیل درج ہے۔

[2] عمل صالح صفحہ ۳۸۳ بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۳۸۶ (اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۳ء میں "تاریخی مضامین" کی ایک بیاض کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک میں "ممتاز محل" کی وفات کا واقعہ درج ہے صفحہ ۱۰۴)

[3] قلمی نسخہ الف صفحہ ۲۲ تا ۲۴

[4] نسخہ ب صفحہ ۳۳ پر یہی عبارت فارسی زبان میں ہے۔ دونوں نسخوں کی عبارت میں تھوڑا فرق ہے۔ نسخہ الف صفحہ ۴۵

[5] تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ عمل صالح صفحہ ۳۸۳، بادشاہ نامہ صفحہ ۳۸۶، مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۱۵۹، راقم کے مضامین ــــ ۱۔ آہو خانہ ۲۔ آثار برہان پور بہارستان ۱۹۵۶-۵۷ء

[6] تمام نسخوں میں دہر آرا بیگم لکھا ہے۔

آہو خانہ ــــ باغ زین آباد میں چھ ماہ کے لئے امانتاً سپردِ خاک کردیا گیا۔ ۱۷ جمادی الاول سنہ ۱۰۴۱ھ کو لاش نکالی گئی اور شاہ شجاع وزیر خاں اور ستی النساء کی ہمراہی میں آگرہ روانہ کی گئی۔

دریائے جمنا کے کنارے راجہ مان سنگھ کے پوتے ــــ راجہ جے سنگھ کے محل کے باغ میں دوبارہ عارضی طور پر دفن کیا گیا۔ راجہ نے اسے فوزِ عظیم جانا۔ مگر شہنشاہ نے امورِ شرعی کے پیش نظر اپنے خاص محلات میں سے ایک محل اس کو عنایت کیا۔ پھر ۵ جمادی الثانی سنہ ۱۰۴۲ھ کو ملکہ کو اس مقام پر دفن کیا گیا، جہاں آج مغلیہ جاہ و جلال کا مرقع ــــ تاج ــــ پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

مذکورہ قلمی نسخہ میں بے بدل خاں کے تاریخی قطعہ[۱] ــــ

.... جائے ممتاز محل جنت باد ــــ سنہ ۱۰۴۰ھ ــــ

کے بعد باغ و مقبرہ کی تعریف میں شاہ جہاں کا ایک فارسی قطعہ ملتا ہے۔ اس قطعہ کی صحت مشکوک ہے۔ معین الآثار اور واقعات دہلی میں یہ قطعہ نقل کیا گیا ہے[۲]۔

بعد میں پتھروں کے وزن، پیمائش، معماروں کی فہرست، ماہانہ وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ مقبرۂ اکبر (سکندرہ) کے ابیات[۳] کی نقل کے بعد توپ کلاں[۴] اور توپ ظفر بخش کا ذکر ہے[۵]۔

نسخہ الف میں توپ ظفر بخش کے کتبہ اور دریائے جمنا میں اس کے غرق ہو جانے کے ذکر کے بعد سلطان محمد ابن عبدالغفور دہلوی[۶] کی ایک ڈھالی ہوئی توپ کا بیان ہے۔ "دورِ اکبر بادشاہ" سنہ ۱۰۳۷ھ کے نیچے ذیل کا شعر درج ہے۔

فتح دکن کرد ز لطف الٰہ   شاہ جہانگیر ابن اکبر شاہ

غور کیجئے کہ ایک کتبہ میں دورِ اکبر بادشاہ۔ سنہ ۱۰۳۷-۳۰ ہجری اور جہانگیر کس قدر مضحکہ خیز تاریخی اجتماع ہے۔ توپوں اور کتبات کا ذکر غیر ضروری ہے۔

تاج کا معمار ــــ تاج کے معماروں میں بہت سے نام ملتے ہیں جن کو تاج کے تاریخ نویسوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ ان میں استاد عیسیٰ نادر العصر اور امانت خاں شیرازی کے نام خاص ہیں۔ امانت خاں کا ذکر تاریخوں اور تذکروں کے علاوہ تاج کے کتبات میں بھی ملتا ہے۔ "ہماری زبان" میں مذکورہ محمد حنیف اکبرآبادی، اسمٰعیل خاں گنبد ساز، محمد خاں خوش نویس، موہن لال پچی کار، منوہر سنگھ لاہوری، متو لال لاہوری کے علاوہ ستار خاں (ترکستانی) خطاط، محمد شریف (سمرقندی) نقشہ نویس، رنجیت لال اور جمنا داس دہلوی، بلدیو داس ملتانی، قادر زماں عرب اور محمد حنیف نگراں کے نام بھی لئے جاتے ہیں[۷]۔

تاج کے معماروں میں ایک فرانسیسی جوہری جیرونیمو ویرونیو کو بھی شریک کرلیا گیا ہے۔ فادر مینرق کے بے بنیاد بیان سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ اس انتساب کی تردید میں مورخین نے کافی کاوشیں[۸] کی ہے۔ ان تفصیلات کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت اور گنجائش[۹] نہیں ہے۔

تاج محل کے اصل معمار کے متعلق شاہ جہاں کے عہد کے تمام مورخین خاموش ہیں تاج کی کوئی عصری تاریخ بھی نہیں ملتی۔ اس لئے معماروں کے نام اور حالات پردہ خفا میں رہ گئے۔

شاہجہاں آباد کے قلعے اور عمارات کے بیان کے ضمن میں محمد صالح کنبوہ نے استاد احمد اور حامد[۱۰] (باقی صفحہ ۸ پر)

---

[۱] عمل صالح جلد دوم صفحہ ۳۲۶، نسخہ الف صفحہ ۳۰

[۲] فارسی قطعہ۔ نسخہ ب ورق ۲، نسخہ س ورق ۸ الف، معین الآثار، انگریزی صفحہ ۱۲، واقعات دہلی صفحہ ۳۷۹

[۳] ابیات ــــ نسخہ ب ورق ۲۸ الف

[۴] توپ کلاں۔ نسخہ ب ورق ۲۸ ب، ۲۹ الف، نسخہ س ورق ۵۳

[۵] توپ ظفر بخش نسخہ الف صفحہ ۲۶

[۶] نسخہ الف صفحہ ۲۶ نسخہ ب ورق ۳۵ پر سنہ ۱۰۳۰ھ لکھا ہے۔

[۷] معین الآثار۔ [۸] تردید کے لئے ملاحظہ کیجئے ....

(i) Vencent Smiths history of Fine Arts in India ــــ P 410-419

(ii) Glimpses of Moghul Architure - P 53

(iii) A Hand book to Agra and Taj - P 74

(iv) Introducing India - Part I ــــ P 97

(v) Travols of Peter mandey - Introduction P LVI - Vol II

(vi) Short History of Moghul Period (Ishwari prasad) Hindi P 413

(vii) Muinul Asar - (English) - P 18

ان ساتوں مصنفین نے استاد عیسیٰ خاں کا نام لکھا ہے۔

(viii) Islamic Culture - April 1940 - P 196

(ix) Archaelogy in India 1944 - P 129

اس آخری کتاب میں احمد معمار کا نام ملتا ہے۔

[۹] یہ مضمون تقریباً تیس صفحات پر محیط طویل مضمون کا عکس ہے جو ۲۴ اگست کو ہماری زبان میں اشاعت کیلئے بھیجا گیا تھا۔

[۱۰] عمل صالح جلد سوم ص ۲۸، صرف قلمی نسخوں میں استاد احمد اور حامد دونوں نام مذکور ہیں۔

سعادت نظیر

ہندوستان

یہ سرزمین، "ہمالہ" ہے پاسباں جس کا
یہ سرزمین، قدم چومے آسماں جس کا
یہ سرزمیں جو "گنگ و جمن" سے ہے شاداب
سدا بہار ہے دنیا میں جس کا عہدِ شباب
یہ سرزمیں جو نگارِ بہارِ فطرت ہے
یہ جس کے ذروں پہ بھی مہر و مہ کو حیرت ہے
یہی وہ ہے، جسے "ہندوستان" کہتے ہیں
یہیں تو امن کے ہم پاسبان رہتے ہیں
اس ارضِ پاک پہ ہیں کیسے کیسے نقش و نگار!
بقا نصیب کہیں ہے "قلی" کا "چار مینار"
کہیں "الورہ" "اجنتا" کے معبد رنگیں
عقیدتوں کی ہے تخلیق، اور کتنی حسیں!
ہے "لال قلعہ" کہیں عہدِ رفتہ کا غمّاز
"قطب کی لاٹ" کہ صدیوں کے ذہن کی پرواز
کہیں ہے حسن و محبت کا نقش "تاج محل"
نظر نواز ہے ساگر میں اک سفید کنول
ہے "ناگ ارجنا ساگر"[1] کہیں خوشی کا پیام
بنا رہے گا جو سرچشمۂ نشاطِ دوام
حیات بخش کہیں "بند بھاکڑہ ننگل"[2]
کہیں "بھلائی"[3] کا آہن گداز جوشِ عمل
"ٹرامبے"[4] کی زمیں پر ہے اب خلا کی نظر
کہیں نکلنے کو ایسے ہزاروں شمس و قمر
شگفتِ گل ہے چمن کی شگفتگی کے لئے
چراغ جلتے ہیں محفل کی روشنی کے لئے
یہ دھوپ، چھاؤں، دھنک اور چاندنی کا سماں
کہاں نہیں ہے؟ مگر اس قدر نکھار کہاں!
دیا ہے ہم کو اسی خاکِ دلنشیں نے جنم
اسی کی آب و ہوا میں جواں ہوئے ہیں ہم
یہی چمن تو ہے دنیائے رنگ و بو اپنی
یہیں ہے ارضِ وطن، ہے یہ آبرو اپنی
خدا گواہ کہ ہم کو کسی سے بیر نہیں
مگر جو حد سے گزر جائے اس کی خیر نہیں
سلام تجھ پہ ہمارا ہو اے عزیز وطن!
بہار آفریں ہو جائے اور تیری پھبن!
ہم اپنا خوں بھی بہا دیں تری خوشی کے لئے
ہماری زندگی ہے تیری زندگی کے لئے

۱؎ آندھرا پردیش کا ایک عظیم پراجکٹ۔
۲؎ بھارت کا ایک بڑا بند۔
۳؎ فولاد کار خانوں کے باعث "بھلائی" نے شہرت پائی۔
۴؎ بمبئی کے قریب ٹرامبے میں "ایٹمی ری ایکٹر" تیار کیا گیا ہے۔

بابائے اردو کی یاد میں

علامہ کیفی کی یاد میں ایک مخصوص ادبی نشست ۹ر نومبر ۶۳ء کی شام کو ہوئی، اس نشست میں ممبران انجمن کے علاوہ دلی کے سرکردہ ادیب، شاعر اور بیرونی سرکردہ شعرا نے شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر تھے۔

پروگرام کے مطابق درخش صدیقی، گلزار دہلوی، ارتضا جلی نے بابائے اردو کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ رشید حسن خاں نے علامہ کیفی کے تخلیقی کاموں پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ انھوں نے علامہ کیفی کی لکھی ہوئی قواعد کا خاص طور پر ذکر کیا۔ خواجہ احمد فاروقی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ کیفی صاحب اس سلسلے کی آخری کڑی تھے جس کا ادبی روپ ہمیں خسرو، میر، غالب، دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار، سرتیج بہادر سپرو کے یہاں ملتا ہے۔ کیفی صاحب اس دہلوی تہذیب کا نمونہ تھے جس میں محبت و مروت اور رواداری بطور قدر کے شامل تھیں، وہ شمع اردو کے پروانہ تھے۔ یہ شمع ہندوستان میں فروزاں ہو یا پاکستان میں۔ اس سے ان کی محبت والہانہ تھی۔ انھوں نے کبھی حرم و دیر میں فرق نہیں کیا ادبی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کو دے دیا۔

اس دورِ پُرآشوب میں جب بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے کیفی صاحب اسی طرح خیر و برکت پھیلاتے رہے۔ اتحاد کی کوشش میں زندگی بھر مصروف رہے، ان کا وجود گرامی ایک مینارِ نور تھا۔

پنڈت کیفی پر کام کرنا اس زمانے میں اپنی اصلاح کرنے کے مترادف ہے، انجمن ترقی اردو اگر ان کے متفرق مضامین کو ایک جگہ جمع کرے اور ان کے خطوط کو شائع کرے تو تاریخ ادب کے بہت سے گوشے جو ابھی تک تشنہ ہیں سیراب ہو جائیں گے۔ خصوصاً کیفیہ کے بعض حصے اور ہماری زبان کی متفرق تحریریں جو تاریخِ زبان سے متعلق ہیں ان کو الگ جلد میں شائع کرنا چاہئے اور ان کے مضامین جو تحقیقی اور تنقیدی ہیں، مثلاً اپنی شاعری کا پہلا مشاعرہ، محمد حسین آزاد، اردو اور لکھنؤ وغیرہ بھی دوسری جلد میں چھپوائے جائیں۔ دریائے لطافت کو دوبارہ ترجمہ اور ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے، اس لئے کہ یہ کتاب اردو زبان کے قواعد کے لحاظ سے بہت اہم درجہ رکھتی ہے۔ پھر مہمان شعرا نے اپنا کلام عطا فرمایا۔ ان میں علامہ جمیل مظہری، پروفیسر پرویز شاہدی، شعری بھوپالی، دلاور فگار، مظہر امام اور مگش بریلوی بھی شامل تھے حسن نعیم اور بہار برنی نے بھی اپنا تازہ کلام سنایا۔ شرکت کرنے والوں میں اساتذہ دلی کالج اور دلی یونیورسٹی کے علاوہ وزیر تعلیم آسام شری دیوکانت بروا اور وزیر مال آسام جناب فخرالدین علی احمد بھی شامل تھے۔

جنرل سکریٹری نے آخر میں صدر جلسہ، شعرائے کرام اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ دلی شاخ کو علامہ کیفی کے متبرک ہاتھوں سے کھلنے کا فخر حاصل ہے اور یہاں جو کچھ بھی کام ہوا اور ہو رہا ہے یہ اس کے بابرکت وجود کا تصرف ہے۔ مجھے ہمیشہ اس پر فخر رہے گا کہ میں نے چند سال اُن کے قدموں میں بسر کئے۔

(جنرل سکریٹری شاخ دلی)

مراسلات

امیر خسروؒ کا ایک شعر

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "بزم تیموریہ" میں صفحہ ۱۵۸ پر مندرجہ بالا شعر اس تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے:

"مولانا علی احمد نشانی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ صاحب فن صاحب سخن اور صاحب دل بھی تھے۔ ایک بار جہانگیر کے حضور میں محفل سماع گرم تھی کہ ایک مطرب نے یہ بیت پڑھی۔

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

جہانگیر نے حاضرین سے اس بیت کا مطلب پوچھا مولانا نشانی پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی اسی عالم میں رقص کرتے اور تالیاں بجاتے ہوئے شاہی تخت کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ایک روز جمنا کے کنارے ہندو عورتیں اور مرد غسل کر رہے تھے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اپنی خانقاہ سے امیر خسرو کے ساتھ نکلے دریا کے کنارے نظر اٹھائی تو یہ مصرع زبان مبارک سے نکلا۔ ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

امیر خسرو نے یہ مصرع سُنا تو مرشد سے فی البدیہہ عرض کیا کہ

من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے سر مبارک پر اس وقت طاقیہ تھی وہ تھوڑی سی کج تھی مولانا نشانی نے اس بیت کی تشریح کرنے میں اپنی کلاہ کو کج کیا اور وجد کی حالت میں بسمل کی طرح رقص کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے۔ حاضرین کو خیال ہوا کہ مولانا بے ہوش ہو گئے ہیں۔ جہانگیر اپنے استاد کی یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ نہایت اضطراب میں تخت سے اُتر کر مولانا کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اسی مُنکر میں مولانا کی روح مالک حقیقی سے جا ملی۔"

مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ واقعہ ریاض الشعرا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

یہی واقعہ محمد اکبر علی صاحب نے اعلیٰحضرت حضور نظام دکن کے "سفر نامہ شاہانہ دہلی ورام پور ولکھنؤ بابتہ ۱۳۵۰ھ" میں صفحہ ۱۷۸ پر نقل کیا ہے اور حوالہ تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ کا دیا ہے۔ لیکن یہاں مصرع ثانی جو حضرت امیر خسرو سے منسوب ہے وہ کسی قدر مختلف ہے۔

ما قبلہ راست کردیم بر طرف کجکلاہے

دوسرے یہ کہ مولانا علی احمد نشانی کا نام ملا علی احمد مُہرکن لکھا ہے۔ چند سال قبل ماہنامہ تحریک دہلی میں جناب گوپال متل صاحب نے بھی "مانگے کا اُجالا" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے اور مصرع ثانی کو امیر خسروؒ ہی سے منسوب کیا ہے۔

حال ہی میں "ارمغان پاک" مرتبہ شیخ محمد اکرام صاحب کا ایک نسخہ نظر سے گزرا۔ یہ نسخہ لاہور سے شایع ہوا ہے۔ اس میں یہ شعر حسن دہلوی سے منسوب کیا گیا ہے چنانچہ حسن دہلوی کی مکمل غزل اسی مطلع سے شروع ہوتی ہے۔

اس مرحلہ پر تحقیق طلب بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ دراصل یہ شعر یا کم از کم مصرع ثانی امیر خسرو کا ہے، یا حسن دہلوی کا؟ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ امیر خسرو اور حسن دہلوی دونوں ہم عصر ہیں اور دونوں میں قریبی ہی نہیں عاشق ومعشوق کے مراسم ہیں اور دونوں ہی حضرت نظام الدین اولیا کے مقربین میں داخل ہیں۔

کیا اہل تحقیق حضرات یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ (۱) صحیح مصرعہ ثانی کونسا ہے اور (۲) یہ شعر دراصل کس کا ہے۔

ثاقب انور (اورنگ آباد۔ دکن)

جواب از مولانا ضیا احمد بدایونی

استفسار دلچسپ ہے۔ جواب عرض ہے مگر جواب سے پہلے چند امور کا صاف کر دینا ضروری ہے۔ (۱) بزم تیموریہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی نہیں۔ بلکہ مولوی سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی تصنیف ہے۔ (۲) مولانا علی احمد نشانی تخلص مُہرکن بھی تھے۔ وہ عہد اکبری کے اچھے عالم، صوفی، شاعر اور خطاط تھے۔ (۳) حسن جو خسرو کے دوست اور پیر بھائی ہیں اور سعدی ہند کہلاتے ہیں دہلوی مشہور ہیں مگر دراصل وہ بدایونی ہیں جیسا کہ ایک قصیدے میں اپنی نسبت فرماتے ہیں۔

پرورده فضل ایزدش ارشاد عیسیٰ مرشدش
بوده بداؤں مولدش دہلی ست منشا داشتہ

ان کو عموماً حَسَن سَنْجَری کہا اور لکھا جاتا ہے دراصل سَنْجُزی ہیں کیونکہ ان کے بزرگ سجستان (سیستان) سے آئے تھے۔

راقم نے حسن کا دیوان قلمی موجودہ حبیب گنج لائبریری دیکھا۔ دیوان مطبوعہ حیدرآباد دکن بھی پڑھا۔ شعر حسن ہی کا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
ما قبلہ راست کردیم بر سمت کج کلاہے

اور ساتھ ہی پوری غزل درج ہے۔ ایک نسخے میں لفظ (دینے) پہلے آیا ہے اور مصرع ثانی یوں ہے

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

تزک جہانگیری مطبوعۂ علی گڑھ میں یہ واقعہ موجود ہے۔ اس میں بھی

"من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے" ہے مگر بیت کو امیر خسرو کی جانب (غلطی سے) منسوب کر دیا ہے۔

ریاض الشعراء (قلمی) میں بھی بجنسہٖ یہی صورت ہے ہاں مخزن الغرائب (قلمی) میں "من قبلہ راست کردم بر طرف کجکلاہے" دیا ہوا ہے۔ لیکن ریاض الشعراء اور مخزن الغرائب میں اتنا ہی ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ نے مصرع اول پڑھا تو امیر خسرو نے یہ مصرع عرض کیا۔ من قبلہ راست کردم .... یہ نہیں ہے کہ خسرو نے اپنا شعر یا مصرع سنایا۔ مخزن میں آگے بڑھ کر "برسوئے کج کلاہے" بھی ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ امور بالا کی بنا پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ شعر جو عموماً خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے در اصل خسرو کا نہیں ہے نہ ان کے کسی قلمی یا مطبوعہ دیوان میں مجھے ملا۔ اس کے برخلاف حسن کی کلیات میں پوری غزل ملتی ہے جس کا یہ مطلع دیا ہوا ہے۔

(۲) مصرع ثانی کی شکل ما قبلہ راست کردیم بر سمت کج کلاہے (دیوان مطبوعہ)۔ یا من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے (دیوان قلمی) درست ہے۔ لفظ طرف سے سمت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ قبلہ اور سمت کی رعایت ملحوظ ہے۔ طرف صرف گوشے کے معنی میں آتا ہے۔ خواہ گوشۂ کلاہ ہو یا گوشۂ دستار وغیرہ۔ اگر طرف کلاہ و کج کلاہے ہوتا تو معنی چسپاں ہوتے۔ مگر لفظ سمت پھر بھی مرجح ہوتا۔

نوٹ۔ بزم تیموریہ میں ہے کہ "خسرو نے فی البدیہہ عرض کیا" جس سے استشہاد پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ بزم تیموریہ کے ماخذ ریاض الشعراء (۱) میں فی البدیہہ کا ٹکڑا نہیں ہے۔ در حقیقت حضرت شیخ کا ایک مصرع پڑھنا اور امیر خسرو کا مصرع ثانی عرض کرنا ارتجالاً نظم کرنا نہ تھا بلکہ اس طرح تھا جیسے ہم کسی شاعر کا شعر حسب حال تمثیلاً نقل کیا کرتے ہیں۔ (ضیاء احمد بدایونی)

اُردو دوستوں سے سکریٹری ریاستی انجمن بہار کی اپیل

جناب جیتاب صدیقی جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو نے مندرجہ ذیل بیان بہ غرض اشاعت حوالہ پریس کیا ہے۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کے زیر اہتمام ہونے والے اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس کے فیصلوں نے جو ذمہ داریاں اُردو دوستوں پر عائد کی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ہم پوری یکجہتی اور تندہی کے ساتھ ان فیصلوں کو کامیاب بنائیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کی شاخیں زیادہ سرگرم اور باعمل ہو جائیں اور دوسرے اُردو دوست بھی انجمن اور اس کی شاخوں کے ساتھ کامل تعاون فرمائیں۔ کچھ دنوں سے انجمن کی بعض شاخیں جمود و تعطل کا شکار ہیں اور ان میں نئی روح پھونکنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ مرکزی انجمن کے حالیہ سرکلر اور ریاستی انجمن ترقی اُردو کی مجلس عاملہ کی قرارداد منظور کردہ تاریخ ۲ر نومبر ۱۹۶۲ء میں طے پایا کہ تمام شاخوں کا سالانہ انتخاب عمل میں لانے، اور اردو دوستوں میں سرگرمی پیدا کرنے کے لئے بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کی ممبر سازی کی مہم ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء تک ریاست بہار کے گوشے گوشے میں چلائی جائے۔ اور تمام شاخیں [illegible] تک اپنے عہدیداروں کا انتخاب ریاستی انجمن ترقی اُردو کی نگرانی میں کر لیں تاکہ مقررہ وقت پر ریاستی انجمن کے عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں آ سکے۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کے اراکین کو اُردو دوستوں سے پوری توقع ہے کہ اُردو کے تحفظ و بقا اس کی ترویج و اشاعت اور اس کے فروغ کے لئے انجمن کی ممبر سازی کی مہم کو کامیاب بنانے کی سعی فرمائیں گے اور اس موقع پر سعی بلیغ کریں گے کہ انجمن کا پیغام ہر اُردو دوست کے گھر تک پہنچ جائے اور لوگ کثیر تعداد میں انجمن کے ممبر بنیں۔ رکنیت کی فیس صرف ایک روپیہ ہے۔ یہ ممبر سازی آئین کے مطابق تین سال کے لئے ہوگی اور مدت معینہ کے اندر جو شاخیں ممبر سازی کریں گی اور جو لوگ ممبر بنیں گے وہی حضرات شاخوں اور ریاستی انجمن کے انتخاب میں حصہ لے سکیں گے۔

اُردو اور مشنری اسکول

جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے:-

بعض حضرات نے یہ شکایت کی ہے کہ شہر حیدرآباد میں عیسائی مشنریز کے جو اسکول قائم ہیں ان میں اردو زبان کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے اور جو طلبہ اُردو بطور زبان دوم کے پڑھنا چاہتے ہیں ان کی ہمت شکنی کی جاتی ہے۔ جب اس بارے میں بعض اسکولوں میں نمائندگی کی گئی تو وہاں کے ارباب اختیار نے یہ جواب دیا کہ خود والدین اپنے بچوں کو اُردو پڑھانا نہیں چاہتے۔ ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا کہ کوتاہی کس کی ہے دشوار ہے۔ موجودہ صورت حال کی اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ ان اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ کے جو والدین اپنے بچوں کو اُردو بطور زبان دوم کے پڑھانا چاہتے ہوں وہ اپنی اس خواہش سے انجمن ترقی اُردو کو، اُردو ہال۔ حیدر گوڑہ حیدرآباد کے پتے پر مطلع کریں تاکہ اس بارے میں انجمن کی طرف سے ضروری کارروائی کی جا سکے۔

ضروری اعلان: براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ — منیجر

بقیہ: تاج

ـــــ سرآمد معماران نادرہ کار کا تذکرہ کیا ہے۔[۱]

تاج کے اس نادر العصر معمار ـــــ احمد کے بارے میں تمام مورخین حیرت خیز حد تک خاموش ہیں۔ وہ آسانی سے بیان کر سکتے تھے کہ یہی احمد ـــــ شاہ جہاں کا معمار کل ـــــ ہے جس کی نگرانی و ہدایت میں تاج کی تعمیر ہوئی۔

ع۔ بود عمارت گر آں بادشاہ

مورخین کا یہ سکوت علامہ سید سلیمان ندوی کے مقالہ[۲] "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" سے ٹوٹ جاتا ہے اور تمام حقائق نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ علامہ مرحوم نے سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے افراد اور ان کے علم و فضل کے کارناموں کا شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ذیل کی معلومات اسی مقالے سے ماخوذ ہیں۔

تاج کے معمار نادر العصر استاد احمد کے حالات اس کے لڑکے لطف اللہ کی مثنوی میں ملتے ہیں۔ احمد فاضل مہندس اور جید عالم تھا۔ علم ہیئت، ریاضیات اور ہندسہ میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔[۳] اس کی ایک تصنیف ـــــ رسالہ احمد معمار ـــــ مکتوبہ کالکا پرشاد دستخط ۱۸۳۶ء کا ذکر فہرست سبحان اور نیشنل لائبریری علی گڑھ میں ملتا ہے۔

لطف اللہ مہندس احمد کے فضل و ہنر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ تاج اور قلعہ شاہجہانی اس نادر العصر کے کمال فن کے زندہ ثبوت ہیں۔ تعمیر کا یہ دعویٰ شاہ جہاں کے عہد میں کیا گیا۔

شاہ جہاں داور گیتی ستاں　　روشنی دودۂ صاحبقراں

... ...　　... ... ...

احمد معمار کہ در فن خویش　　صد قدم از اہل ہنر بود پیش

از طرف داور گیتی جناب　　نادر عصر آمدہ او را خطاب

بود عمارت گر آں بادشاہ　　داشت دراں حضرت فرخندہ جاہ

آگرہ شد مضرب رایات شاہ　　بسکہ بر و بود عنایات شاہ

کرد بحکم شہ کشور کشا　　روضۂ ممتاز محل را بنا

باز بحکم شہ انجم سپاہ　　شاہ جہاں داور گیتی پناہ

قلعۂ دہلی کہ ندارد نظیر　　کرد بنا احمد روشن ضمیر

ایں دو عمارت کہ بیاں کردہ ایم　　در صفتش خامہ رواں کردہ ایم

یک ہنر از گنج ہنرہائے اوست　　یک گہر از کان گہرہائے اوست

شاہجہاں کے عہد میں لکھی ہوئی اس مثنوی[۶] میں نادر العصر احمد کے تینوں لڑکوں ـــــ لطف اللہ، عطاء اللہ اور نور اللہ کے علم و فضل اور کمال فن کا ذکر ہے۔ ان کے علمی اور عملی کارناموں کی تفصیل کے لئے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کا مقالہ[۷] ملاحظہ کیجئے۔

دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر کندہ کتبات ـــــ نور اللہ کی کمال خطاطی کے شاہد ـــــ آج تک کھڑے ہیں ـــــ "کتبہ نور اللہ" ـــــ ملکہ رابعہ دورانی کا مقبرہ (اورنگ آباد) عطاء اللہ کی عملی یادگار ہے جس کے صدر دروازہ کے ایک گوشہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"ایں روضۂ منورہ در معماری عطاء اللہ و تعمیر ہنسپت رائے طیار شدہ" شادی آباد ـــــ مانڈو میں ہوشنگ شاہ کے مقبرے کے دروازے کے داہنے بازو پر کندہ کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لطف اللہ مہندس ابن احمد معمار شاہ جہانی۔ خواجہ جادو رائے، استاد شیورام اور استاد حامد نے مانڈو کی قدیم عمارتوں کو دیکھنے کے لئے یہ سفر کیا جو بقول ڈاکٹر غلام یزدانی "ہندوستانی فن تعمیر کا جگمگاتا ہوا ہیرا ہیں۔"[۸] کتبہ کی عبارت ملاحظہ کیجئے[۹]

ـــــ بتاریخ نہم ربیع الثانی سنہ ہزار و ہفتاد ہجری

ـــــ فقیر حقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار شاہجہانی

ـــــ خواجہ جادو رائے و استاد شیورام و استاد حامد

ـــــ بجہت زیارت آمدہ بود۔

اس کتبہ اور مثنوی سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ احمد اور حامد بھائی تھے[۱۰] ورنہ لطف اللہ حامد کا ذکر بھی ادب و احترام سے کرتا۔

لطف اللہ تاج کو ... ع یک گہر از کان گہرہائے احمد ... کہتا ہے، اور شاہجہانی عہد کے مورخین اس باب میں خاموش ہیں۔ امید کہ ارباب حل و عقد اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

---

۱ سرسید احمد خاں نے قلعۂ شاہجہاں آباد کی تعمیر کے ذکر میں لکھا ہے کہ "استاد احمد و حامد اپنے فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور ہندسہ و ہیئت میں ثانی اقلیدس و رشک بطلیموس تھے"۔ (آثار الصنادید طبع اوّل)

۲ مقالہ ـــــ محمود بنگلوری نے اس مقالہ اور دیوان مہندس کو اپنے مقدمہ کے ساتھ تاج محل کی شکل میں "اردو اکیڈمی لاہور" سے شائع کرا دیا ہے... معارف جلد ۶۹ میں راقم کی نظر سے صرف اس کتاب پر تبصرہ گزرا ہے۔

مقالہ ـــــ مضامین سلیمان ص ۲۷۵ تا ۳۲۶، معارف ستمبر ۱۹۳۶ء

۳ آثار الصنادید ص ۲۰۳ ـ ۵ فہرست ص ۲۱

۶ اس مثنوی کے اول صفحات کا عکس Illustrated weekly of India کی کسی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ زیر نظر تراشے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صفحہ پر دس اور دوسرے پر بارہ اشعار ہیں۔ دوسرا صفحہ اس شعر سے کہ ... ع قلعہ دہلی ندارد نظیر شروع ہوتا ہے۔

۷ مقالہ علامہ سلیمان ندوی ص ۲۷۵ مضامین سلیمان

۸ شادی آباد ـــــ مانڈو ـــــ صفحہ الف

۹ ہندوستانی اسلامی کتبات (۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۰ء) ص ۲۳، مضامین سلیمان ص ۲۹۶

۱۰ مضامین سلیمان ص ۲۰۳

نقشِ سلیمانی

سید سلیمان ندوی رح کے یوم ولادت و وفات (۲۲ر نومبر) کے مشترکہ موقع پر ان کے دیوان حماسہ کے ایک ترجمے کا آخری حصہ نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ اختر شیرانی کے رسالے "خیالستان" کے شمارے بابت مئی سنہ ۱۹۳۰ء میں شایع ہوا تھا۔ (اقبال کرشن)

آ ــــ روبقہ! آ! میرے بالان کے قریب بیٹھ جا! اور اپنے آب دہن سے میرے دل کے سوز کو بجھا! مگر آہ! یہ تو بتا! تو یہاں آئی کیونکر ـــــــ؟ تیری نزاکت تو، تجھے اپنی پڑوسن کے یہاں بھی نہیں جانے دیتی ـــ!

روبقہ! قسم ہے برسنے والی بدلیوں اور چمکنے والے ستاروں کی! میں نے تجھے بھولا نہیں! اور عیش و راحت! اور سرور ایام نے ـــ تجھ میں، نہ مجھ پر، غرور سے دامن گرا گرا کے، اٹکھیلیاں کر کرکے، چلنے کا سماں میرے لوح دل سے محو کیا ہے ــــ اور نہ اپنے دل کی قسمت میں، میں نے تیرے سوا کسی کو شریک ! ـــــــ

مگر آہ! کہاں جاتی ہے؟ ...... اچھا اگر جاتی ہے تو مجھے اپنا توشہ تو لینے دے!!!

میدک میں اُردو کی جماعتوں کا قیام

انجمن ترقی اُردو کا پریس نوٹ۔ حیدرآباد ۹ر نومبر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی ایک اطلاع کے مطابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسر ضلع میدک نے انجمن کو اطلاع دی ہے کہ انھوں نے نظام پور اور گڈی چاپور کے وسطانیہ مدارس میں اُردو کی پہلی اور دوسری متوازی جماعتیں کھولنے کی اجازت دے دی ہے بشرطیکہ فی جماعت دس طلبہ کی اقل ترین مقررہ تعداد قائم رکھی جائے۔ اس سلسلے میں سکریٹری ضلع پریشد اور تحتانی ڈپٹی ڈائرکٹر سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ علی الترتیب ضروری ساز و سامان اور فی جماعت ایک سکنڈری گریڈ استاد کے تقرر کا انتظام کریں اس کے علاوہ سکریٹری ضلع پریشد سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہے ہائی اسکول میں اُردو متوازی جماعت کھولنے کیلئے مطلوبہ طلبہ کی تعداد موجود ہے یا نہیں اس سے مطلع کریں، نیز ہائی سیٹ کے مدارس کی فنوں میں تیسری اور چوتھی جماعتیں کھولنے کے لئے انسپکٹر آف گرلز اسکول حیدرآباد کے پاس ضروری تجاویز پیش کریں۔ (روزنامہ سیاست حیدرآباد ۱۰ر نومبر ۶۳ء)

یوم زورؔ کے انعقاد کی تیاریاں

حیدرآباد ۹ر نومبر۔ اُردو آرٹس کالج کے زیر اہتمام منائے جانے والے "یوم زورؔ" کے پروگرام کو قطعیت دے دی گئی ہے۔ افتتاحی اجلاس ۲۱ر دسمبر کو منعقد ہوگا اور ۲۲ر دسمبر کو دن میں مجلس مذاکرات کا انعقاد عمل میں آئے گا جس میں ڈاکٹر زورؔ مرحوم کی زندگی اور ان کی علمی و ادبی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر مقالے پڑھے جائیں گے اور رات میں ایک غیر طرحی مشاعرہ منعقد ہوگا۔ یوم زورؔ کے موقعوں پر کتابوں کی دو روزہ نمایش کا بھی انتظام کیا جارہا ہے۔ (روزنامہ سیاست حیدرآباد ۱۰ر نومبر ۶۳ء)

انجمن تعمیر اُردو امروہہ کا ادبی اجتماع

انجمن تعمیر اُردو امروہہ کا ایک علمی اور ادبی اجتماع ڈاکٹر رتیش پال گپتا کی صدارت میں ہوا۔ حکیم کلب علی شاہد اور سید مدثر حسین جارچوی نے اپنے مقالے، اسید سبطِ حسن اور رئیس نجمی نے اپنے افسانے اور نہال احمد نے مختصر کہانی پڑھ کر سنائی۔ اور شہباز صدیقی، تاباںؔ نقوی، بسمل نورپوری، مبارک حسن اور مہتاب امروہوی نے غزلیں اور نظمیں سنائیں۔ (سرفراز عثمانی سکریٹری)

سری نگر میں یوم ظفر

سری نگر کشمیر میں بزم اُردو کے زیر اہتمام میر غیاث الدین صاحب وزیر خوراک و زراعت کی صدارت میں ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا ایک شاندار اجتماع ہوا۔ جس میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ظفر کمیٹی کے کنوینر قیصر قلندر صاحب نے جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے بہادر شاہ ظفر کی المناک زندگی کے کچھ پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ اس کے بعد پروفیسر عبدالقادر سروری اور ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نے ظفر کی شخصیت ادبی صلاحیتوں اور کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعض چیدہ ممتاز شعراء نے نظم و نثر میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ آخر میں چند خوش گلو موسیقاروں نے ظفر کی چیدہ چیدہ غزلوں کو اپنے انداز میں پیش کیا۔

بنگلور میں دو کامیاب مشاعرے

بنگلور میں بزم ایوان ادب کے زیر اہتمام ایک غیر طرحی مشاعرہ اور بزم قیصر کے زیر سرگردگی ایک طرحی مشاعرہ زیر صدارت عبدالغفار صاحب ادیب منعقد ہوئے۔

نیلور میں جامعہ اُردو کا سنٹر

اسسال جہاں نیلور میں انجمن ترقی اُردو کی مقامی شاخ کا آغاز ہوا وہیں جامعہ اُردو کے سنٹر کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔ طلبہ اور طالبات کے لئے جامعہ اردو کے نصاب کی تیاری میں آسانی بہم پہنچانے کے لئے مدرسہ فیض العلوم میں مختلف کلاس جاری کئے گئے ہیں۔ ان کلاسوں کی دیکھ بھال زیادہ تر انجمن ترقی اُردو کی مقامی شاخ کے اراکین کر رہے ہیں۔

نومبر کے اوائل میں انجمن ترقی اُردو نیلور کے اراکین کی ایک خاص ادبی نشست "اردو سنٹر" ڈاے سی مارکٹ نیلور یا پر ہوئی تھی۔ اس میں سب سے پہلے جامعہ کے سنٹر کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اس کے بعد پنڈت آنند نراین مُلّا کی تقریر (مطبوعہ ہماری زبان) سکریٹری انجمن نے پڑھ کر سُنائی جو بہت پسند کی گئی مُلّا صاحب کی حق گوئی اور بیباکی کا ہر کوئی معترف تھا۔

(عبدالوہاب تسنیم ایم۔ اے سکریٹری انجمن)

انجمن کی شاخ آگرہ میں حیات اللہ انصاری کی تقریر

جناب میکش اکبرآبادی کی صدارت میں انجمن ترقی اُردو شاخ آگرہ کا ایک جلسہ میوہ کٹرہ آگرہ میں منعقد ہوا جس میں سب پہلے جناب معین فریدی بی اے نے انجمن کی مختصر رپورٹ پرائمری اور جونیر ہائی اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں انجمن نے جو کام فرینڈس سوسائٹی آگرہ کے تعاون سے کیا پیش کیا۔ حیات اللہ صاحب انصاری سکریٹری انجمن صوبۂ یوپی نے ممبران سے خطاب کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں انجمن کے اس کام پر تفصیل سے روشنی ڈالی جو انجمن اُردو کا حق منوانے کے سلسلے میں کر رہی ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ دسمبر کے شروع یا جنوری کے آخر میں لکھنؤ میں ایک صوبائی کانفرنس ہوگی جس میں اُردو کی بہت سی اُلجھنوں پر غور کیا جائے گا اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آگرہ شاخ کے ممبران کے کاموں کو سراہتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اب وقت مزید لگن سے کام کرنے کا ہے۔ اور ممبران کے سامنے ایک لائحۂ عمل رکھا جس کے لئے معین فریدی نے انھیں یقین دلایا کہ انشاء اللہ انجمن ترقی اُردو شاخ آگرہ اب پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عمل رہے گی۔

آخر میں جناب میکش اکبرآبادی نے جناب حیات اللہ انصاری کا شکریہ ادا کیا۔ (معین فریدی سکریٹری)

لسانی فارمولے کے تحت اُردو تعلیم کا حکم

انجمن ترقی اُردو اور بزم ادب جھنجھنوں کے اراکین کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں محکمۂ تعلیم راجستھان نے لسانی فارمولے کے تحت اُردو تعلیم کے بندوبست کے احکام ڈائرکٹر صاحب محکمۂ تعلیم راجستھان کے لیٹر نمبر EDB/ACA/A/16094 مورخہ ۶ر نومبر ۱۹۶۳ء کے ذریعہ موصول ہو چکے ہیں۔ اس ضلع کے دو بڑے اسکولوں۔ گورنمنٹ ملٹی پرپز ہائیر سیکنڈری اسکول جھنجھنوں اور گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری اسکول نوا میں اس اسکیم کے تحت اُردو تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند طلبہ کی کافی بڑی تعداد موجود ہے۔ مڈل اسکولوں اور گرام پنچایتوں کے تحت چلنے والے پرائمری اسکولوں میں اُردو جاری کرائے جانے کے لئے کوشش ابھی جاری ہے۔ (سکریٹری)

باسنی میں یوم بقا مرحوم

باسنی ضلع ناگور میں مقامی انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام مفتی خلیل الرحمٰن صاحب کی صدارت میں علامہ امیر احمد بقا مرحوم کا یوم وصال منایا گیا۔ علامہ مرحوم اپنے وقت کے بڑے عالم اور اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔

انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخ نے ماضی کے بڑے بڑے ادبا و شعرا کی یادگاریں منانے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ چنانچہ یوم بقا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس سلسلے میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا جس میں مقامی اور غیر مقامی ممتاز شاعروں نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

حیدرآباد میں نظر مرحوم کو خراج عقیدت

بزم حیوان کے زیر اہتمام مخدوم محی الدین کی صدارت میں نظر مرحوم کی شاعری کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا شری احسن علی مرزا نے اپنے مقالے میں واضح کیا کہ نظر مرحوم نے ترک وطن کرنے میں کوئی سیاسی مقصد پیش نظر نہیں تھا بلکہ وہ بدلے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا نہ کر سکے۔ پاکستان جانے کے بعد بھی وہ اپنے وطن سے دہی والہانہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔

شری مخدوم محی الدین نے اپنی صدارتی تقریر میں نظر کی شاعری کے سیاسی و ادبی رجحانات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوستان سے ترک وطن کرکے پاکستان جانے والے شاعروں کی وطن دوستی کے جذبات کو مثالوں اور دلائل کے ذریعے واضح کیا اور آخر میں مشاعرے پر اس اجلاس کا خاتمہ ہوا۔

آندھرا پردیش کے مدارس میں اُردو کے مساوی درجے

آندھرا پردیش کے خاص خاص سکنڈری اور پرائمری مدارس میں اردو کے مساوی درجے کھلوانے کے سلسلے میں انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے وفد کی معروضات کے جواب میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر صاحب نے انجمن کو اطلاع دی ہے کہ اس سلسلے میں حکومت آندھرا پردیش سے رجوع کیا گیا تھا۔ اُس نے جواب دیا ہے کہ سرکاری اور ضلع پرشید کے تمام اُن سکنڈری مدارس میں جہاں گزشتہ سال مساوی درجے کھلے تھے اُردو کے مساوی درجے کھولنے کے لئے پہلے ہی ضروری کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔ اور ایسے سکنڈری مدارس میں بھی جہاں ضرورت ہو اور مالی استحکام اور قابل اساتذہ کی شرائط پوری ہوتی ہوں اُردو کے مساوی درجے کھولنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

کیونکہ لازمی پرائمری اسکیم کے ماتحت ۶۴-۱۹۶۳ کے تعلیمی سال میں ہنگامی حالات کی وجہ سے مزید مدرسین کے تقرر کا انتظام نہیں رکھا گیا تھا اس لئے اس سال کے دوران میں پرائمری درجوں میں اُردو کے مساوی درجوں کے کھولنے کی اجازت دینا ممکن نہیں۔ مگر ڈائرکٹر تعلیمات کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ ۶۵-۶۴ کے تعلیمی سال میں اس کا انتظام ضرور کریں۔

(آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو آندھرا)

اُردو بولنے والے علاقائی زبان سیکھیں

(ملاپ حیدرآباد سے) ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ نے بزم ادب اردو کالج حیدرآباد کے افتتاحی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے اُردو بولنے والوں پر زور دیا کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ علاقائی زبان سیکھنے کے لئے سنجیدگی سے توجہ کریں۔ موصوف نے ادیبوں کو مشورہ دیا کہ ہندوستان میں جمہوریت اور اشتراکیت کے اجتماع سے جس نئے سماج کی تعمیر کا تجربہ ہو رہا ہے اس سے ہمارے ادب کو بھی ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔

دیوناگری کے ٹیلی پرنٹر

جناب بھگوتی سہائے نائب وزیر نقل وحمل اور مواصلات نے لوک سبھا میں بتایا کہ ہندی میں ٹیلی پرنٹروں کی ساخت کے متعلق ابتدائی کام شروع ہو گیا ہے۔ اور ہندی ٹیلی پرنٹر ۱۹۶۵ء کے اختتام تک تیار ہونے لگیں گے اور توقع ظاہر کی ہے کہ اُن سے ۶۶-۱۹۶۵ء میں کام لیا جائے گا۔

بنگلور میں ادارہ محوی کا اجلاس

ادارہ محوی کا ایک عام ادبی جلسہ زیر صدارت حکیم وجدی صاحب منعقد ہوا۔ قرارداد کے ذریعہ ریاستی حکومت سے اپیل کی گئی کہ ریاست کی لگ بھگ ۲۲ لاکھ اُردو بولنے والی آبادی کے لئے حکومت اپنی سرپرستی میں ایک اُردو ادبی اور ثقافتی ماہنامے کا اجرا کرے۔

ادبی اور تہذیبی خبریں

(بحوالہ "دورِ حیات")

برمنگھم کے اُردو ہفت روزہ اخبار ایشیا کے منتظمین نے اعلان کیا ہے کہ عنقریب برمنگھم سے ایک اُردو روزنامہ بھی شایع ہونے لگے گا۔

معلوم ہوا ہے کہ کیرل یونیورسٹی نے اُردو کا چار سالہ ڈگری کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جن طلبہ نے اُردو مضمون میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا ہے وہ کورس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

گوا میں یکم جون کو اُردو ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، تاکہ اس علاقہ میں اُردو تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں اُردو کی تعمیر و ترقی کا بھی پروگرام ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لندن میں اُردو کی پہلی ڈائری کا قلمی مسودہ تلاش کر لیا ہے۔ یہ اُردو کی پہلی ڈائری بتائی جاتی ہے جس میں والیٔ جھجر کریم خان کے سفر انگلستان ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۴ء کے حالات قلمبند ہیں۔ شاہ ظفر نے کریم خاں کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ ڈائری بہت دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی ہے۔

محمد عتیق صدیقی

تبصرہ

مکتوباتِ عبدالحق

مرتبہ: جلیل قدوائی
صفحات: ۹۰۰، ناپ $\frac{20 \times 30}{16}$
جلد دفتی، قیمت بارہ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلوب، کراچی

مولوی عبدالحق مرحوم کے مکاتیب کا یہ مجموعہ جلیل قدوائی نے مرتب کیا ہے۔ اس مجموعے کے لئے خطوط کی فراہمی، اور ان کو ترتیب دینے میں جو زحمتیں مرتب نے اٹھائی ہوں گی، اس کا کتاب کے حجم سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کو جو خطوط بھی مل سکے وہ اس مجموعے میں شامل کر دئے گئے ہیں۔ دیباچہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کے خطوط کا ایک ذخیرہ مشفق خواجہ صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ زیرِ تبصرہ "مجموعے کی تالیف کے وقت "مرتب کی "درخواست پر [مشفق] خواجہ صاحب نے اپنے ذخیرہ کا ایک حصہ" ان کو عنایت کیا۔ مشفق خواجہ بقیہ حصے کو بھی اگر شائع کر دیں، تو یہ بہت بڑی خدمت ہو گی۔ تمام خطوط سامنے آ جانے کے بعد مولوی صاحب کو سمجھنے میں بے حد مدد ملے گی۔

اس مجموعے کے اکثر خطوط میں مولوی صاحب مرحوم کی ہندوستانی زندگی کے عموماً اور پاکستانی زندگی کے خصوصاً جو نقوش ملتے ہیں، وہ اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ اردو کے اس پہلوان کے لئے کراچی واٹر لو بن گیا۔ یہ حادثہ حیرت ناک تو نہیں عبرتناک ضرور ہے۔

مکتوباتِ عبدالحق پر آل احمد سرور کا ایک جامع تبصرہ اردو ادب میں شائع ہو چکا ہے۔ مجھے ان سے شکایت ہے کہ جو کہنے والی باتیں تھیں وہ انہوں نے کہہ دیں، اب ان کا یہاں اعادہ کرنا غیر ضروری سا ہے۔

اس مجموعے کے ساتھ مرتب کا ایک فاضلانہ مگر مختصرانہ دیباچہ بھی ہے جس سے اختلاف کی خاصی گنجائش ہے۔

چند روز ہوئے میں دلی جا رہا تھا اور مکتوباتِ عبدالحق میرے ساتھ تھی۔ ایک نوجوان ہم سفر نے یہ کتاب مانگ کر دیکھنی شروع کی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا "یہ جملہ سنئے، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"۔ جملہ یہ تھا:

"محاورہ اور روزمرہ کا جو چٹخارہ بابائے اردو کے ہاں ملتا ہے، غالب کے ہاں باوصف برجستگی و شگفتگی اس کا دور دور پتہ نہیں، اور بعد کے خطوط نویسوں مثلاً ابو الکلام آزاد اور نیاز فتحپوری کے یہاں تو اس کی توقع ہی فضول ہے۔"

نوجوان رفیق سفر کو یہ کہہ کر میں نے چپ کرا دیا کہ "جلیل صاحب بہت اچھے شاعر ہیں۔ اپنے عنفوانِ شباب میں ان کے شعر مجھے بہت پسند تھے۔ اب معلوم نہیں ان کی شاعری کا کیا حال ہے۔ غالب "نغمہ سنجِ غزل" کے شاکی تھے مگر اس طلسم کو توڑ کر وہ اس کے باہر نہیں آ سکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جلیل صاحب کی شاعرانہ فکر شعر کے قیود کو توڑ کر نثر کے میدان میں اُتر آئی ہے"۔

اس "شعرِ منثور" سے قطع نظر مکتوباتِ عبدالحق اُردو خطوط نگاری کے سرمایہ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، اور ان کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

سرگزشتِ امام

مصنف۔ امام کاؤ۔ ڈاؤ۔ جان
مترجم۔ محمد صغیر
ناشر۔ مکتبہ تحریک، ۹۔ انصاری مارکیٹ۔ دہلی ۶
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۱۰۴
قیمت۔ ۷۵ نئے پیسے

اشرف المخلوقات

مصنف۔ ڈاکٹر سید اختر احمد
ناشر۔ پالی اسٹڈی سرکل ۲۲-۳-۹۲۲ پرانی حویلی حیدر آباد (آندھرا پردیش)
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۱۲۲
قیمت۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

جذباتِ رضی

مصنف۔ مولوی رضی احمد رضی
مرتب۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
ملنے کا پتہ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد بلڈنگ علی گڑھ
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۹۹
قیمت۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر عزیز حسن، پرنٹر ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا۔